© rasailojaraid.com

یاد ماضی عذاب ہے یارب

محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی درد میں ڈوبی ہوئی ایک پراثر تحریر

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

ہماری سب کی زندگی میں کچھ واقعات ہوتے ہیں کہ وہ کبھی نہ کبھی ہمیں یاد آتے رہتے ہیں۔ بعض واقعات بہت خوشگوار ہوتے ہیں اور بعض بہت ہی تکلیف دہ۔ خوشگوار واقعات کی یاد جب آتی ہے تو ہمارے چہرہ پر مسکراہٹ آجاتی ہے اور ہم دل ہی دل میں اس واقعہ کو یاد کر کے خوش ہوتے ہیں، ایسے واقعات عموماً مختصر ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ناخوشگوار واقعات کی یاد بہت دیرپا اور تکلیف دہ ہوتی ہے۔ کچھ یادیں امتحان سے وابستہ ہوتی ہیں کہ امتحان بہت سخت تھا، سخت پریشانی تھی اور نیندیں اڑ گئی تھیں۔ کچھ یادیں بعض مشکل اور تکلیف دہ واقعات سے وابستہ ہوتی ہیں جو آپ نہ کبھی بھلا سکتے ہیں اور نہ ہی وہ جلد آپ کو اس سے نجات دیتی ہیں۔

خوشگوار واقعات تو میری زندگی میں بہت آئے اور اللہ تعالیٰ کا کرم رہا کہ ان کی یادیں آج بھی نہایت خوشگوار ہیں۔ تعلیم میں کامیابی، شادی، بچوں کی پیدائش، ان کی تعلیم، اچھی باعزت ملازمت، پاکستان میں آمد اہم کام کا کامیابی سے مکمل کرنا اور ملک کو ناقابل تسخیر دفاع مہیا کرنا اور سب سے بڑھ کر عوام کی دلی اور والہانہ اور بے لوث محبت، مگر سب سے برا اور تکلیف دہ واقعہ جو آج بھی دل میں خنجر کی طرح چبھتا رہتا ہے، وہ ہے 16 دسمبر 1971ء میں مشرقی پاکستان میں ہماری افواج کی ذلت آمیز شکست اور ہتھیار ڈالنا۔ ہر سال جونہی دسمبر کا مہینہ قریب آتا جاتا ہے میرا دل غم سے بیٹھا جاتا ہے، ایک ذہنی کرب میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ یہ ہماری تاریخ کا سیاہ ترین باب، دن ہے اور جو لوگ اس کو بھول گئے ہیں یا بھولنا چاہتے ہیں وہ بے حس ہیں اور اگر خدانخواستہ یہ ملک بھی تباہ ہو جائے تو ان کو کچھ درد تکلیف نہ ہوگی۔

اکتوبر 1971ء میں، میں نے اپنی ڈاکٹریٹ کی تھیس مکمل کر لی تھی اور داخل کر چکا تھا۔ پچھلے کئی ماہ سے اپنے کام سے متعلق بین الاقوامی رسالہ جات میں ریسرچ مقالہ جات شائع کر رہا تھا، مگر چند ماہ سے نہ دماغی سکون تھا اور نہ ہی کام میں دل لگ رہا تھا۔ مجھے ایک کتاب کی تکمیل کرنا تھی، جو اپنے ہالینڈ کے پروفیسر ڈاکٹر ولیم برگرس کی سالگرہ پر ان کو پیش کرنا چاہتا تھا۔ میں [illegible] کے تمام ترقی یافتہ [illegible] بین الاقوامی شہرت یافتہ پروفیسروں سے اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب کے لیے مقالے لکھوائے تھے اور خود بھی ایک مقالہ لکھا تھا اور یہ کتاب ہالینڈ کی مشہور کمپنی نے شائع کی تھی جو ایک بڑی تقریب میں ڈیلفٹ کی ٹیکنیکل یونیورسٹی میں جس میں امریکہ، انگلستان، فرانس، جرمنی، آسٹریا، ہالینڈ وغیرہ کے پروفیسروں نے شرکت کی تھی، پروفیسر برگرس کو پیش کی گئی تھی۔

جب مارچ 1971ء میں یحییٰ خان نے جنرل ٹکا خان سے مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن کرایا تو میں نے یہی یقین کیا کہ واقعی مشرقی پاکستان والے دہشت گرد ہندوستانیوں کی مدد سے وہاں گڑبڑ کرا رہے ہیں۔ آہستہ آہستہ جب اخبارات اور ٹی وی نے حقائق بیان کرنے شروع کئے تو دماغ الجھن میں پڑ گیا۔ میں نے کراچی میں ایوب خان کے ابتدائی دور میں فوجیوں کو دیکھا تھا اور میرے دل میں ان کی بے حد عزت تھی، مگر اب جب نہتے بنگالیوں کا قتل عام دیکھا، ہزاروں حاملہ لڑکیوں کو دیکھا اور نہایت اندوہناک تصاویر دیکھیں کہ کتے بچیوں کی لاشیں گھسیٹ رہے تھے اور ان کو کھا رہے تھے تو بے حد دکھ ہوا۔ میرے ساتھ بازو والے فلیٹ میں ڈاکٹر عبدالمجید ملا اور ان کی بیگم ڈاکٹر عائشہ قیام پذیر تھے۔ میڈیکل سائنس میں ڈاکٹریٹ کر رہے تھے۔ ڈھاکہ سے تھے اور ہمارے بے حد اچھے دوست تھے اور فرشتہ خصلت تھے۔ ان کی دو بچیاں ہماری بچیوں کی ہم عمر تھیں اور بے حد اچھی دوست تھیں۔ ہمارے تعلقات میں فرق نہیں آیا مگر جب ملتے تھے تو اندرونی طور پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ درمیاں میں خلیج پیدا ہو رہی ہے۔ لیوون یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ نے پاکستان کے خلاف جب مظاہرہ کا انتظام کیا تو میں نے سمجھا بجھا کر وہ ملتوی کر دیا کہ طلباء اور اساتذہ کو سیاست میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اس سے پیشتر 1965ء میں، میں نے ہالینڈ میں مشہور پروفیسر ڈاکٹر ڈے ینگ کو کشمیر کے بارے میں تفصیلی خط لکھ کر اور بات کر کے پاکستان کے موقف کا قائل کر دیا تھا۔ وہ اس وقت جنگ کے دوران ہندوستانی نقطہ نظر زیادہ پیش کرتے تھے۔ انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر متوازن تبصرہ کرنے لگے تھے۔ اس کے بعد 16 دسمبر 1971ء کا دن آیا اور مجھے اپنی آنکھوں سے وہ سیاہ ترین دن بھی دیکھنا پڑا جب جنرل امیر عبداللہ خان نیازی پلٹن میدان میں بیٹھ کر ہندوستانی جنرل اروڑا کے سامنے شکست نامے اور ہتھیار ڈالنے کے معاہدہ پر دستخط کر رہے تھے۔ میں کئی دن نہ سو سکا، بھوک مر گئی اور کئی کلو وزن کم ہو گیا اور یہی افسوس کرتا رہا کہ اللہ پاک تو نے مجھے یہ منحوس دن کیوں دکھانے کو زندہ رکھا۔ جس وقت مغربی پاکستان کی فوج نے مشرقی پاکستان میں بدنام زمانہ آرمی ایکشن شروع کیا اس وقت ہمارے انقلابی مرحوم شاعر حبیب جالب نے یہ قطعہ کہا تھا۔

1971ء کے خون آشام بنگال کے نام

محبت گولیوں سے بو رہے ہو

وطن کا چہرہ خوں سے دھو رہے ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یقیں مجھ کو کہ منزل کھو رہے ہو

(مشرقی پاکستان میں فوج کشی کے موقع پر)

بعد میں معتبر ذرائع سے یہ بھی پتہ چلا تھا کہ فوج نے سو سے زیادہ بنگالی دانشوروں کو گرفتار کر کے ڈھاکہ کے باہر قتل کر کے اجتماعی قبر میں دفن کر دیا تھا۔ مجھے ان باتوں پر یقین نہ آتا تھا، لیکن جب پاکستان آیا اور میرے ساتھ کام کرنے والے پرانے فوجی سپاہیوں اور نچلے درجہ کے افسران سے تفصیلات کا علم ہوا تو میرا سر شرم سے جھک گیا۔ رہی سہی کسر مشرف نے اپنی ہی فوج کو اپنے ہی عوام کے خلاف استعمال کر کے اور لال مسجد میں معصوم بچیوں کو فاسفورس بم سے جلا کر اور مار کر پوری کر دی۔ فوجی کاروائی دیکھ کر جو اپنے ہی عوام کے خلاف قبائلی علاقہ میں جاری ہے دکھ ہوتا ہے۔ ہر خبر غور سے پڑھتا ہوں تو فوراً میرے پرانے دوست محسن بھوپالی کا یہ شعر یاد آ جاتا ہے۔

اس لئے سنتا ہوں محسن ہر فسانہ غور سے

اک حقیقت کے بھی بن جاتے ہیں افسانے بہت

میں 1972ء کے اوائل میں امسٹرڈم چلا گیا اور وہاں یورینیم کی افزودگی میں مہارت حاصل کی۔ مجھے پھر بھی ہر وقت 16 دسمبر 1971ء یاد آ کر دکھ دیتا رہتا تھا، جب 18 مئی 1974ء کو ہندوستان نے دنیا کو دھوکہ دے کر ایٹمی دھماکہ کیا اور بھٹو صاحب کی بار بار وارننگ کو نظر انداز کیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ اب پاکستان کا قیام و وجود بہت خطرہ میں پڑ گیا ہے۔ اور ہندوستان ہمیں چند سالوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ ستمبر 1974ء کو میں نے بھٹو صاحب کو بم بنانے کی پیش کش کی تو انہوں نے فوراً آنے کی دعوت دی۔ ان کو تمام چیزیں بتلا کر واپس چلا گیا، مگر جب اواخر دسمبر 1975ء میں ان کی دعوت پر دوبارہ آیا تو کچھ کام نہیں ہوا تھا، جب میں نے ان کو یہ بتلایا تو انہوں نے درخواست کی کہ میں واپس نہ جاؤں اور رک کر ایٹم بم بناؤں، باقی حالات کہ کس طرح سب کچھ چھوڑ کر، کتنی خطیر تنخواہ پر کام کیا اور کن کن مشکلات و سازشوں کا سامنا کرنا پڑا، اب ہماری تاریخ کا حصہ ہے۔ میرے رفقائے کار اور میں نے نہایت کم عرصہ میں اس ملک کو ایک ایٹمی اور میزائل قوت بنا دیا اور ملک کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنا دیا۔ میں نے اربوں ڈالر کی ٹیکنالوجی دی اور ایک پائی معاوضہ کا نہیں ملا، لیکن اب موجودہ حالات میں جب غور کرتا ہوں تو اکثر خیال آتا ہے کہ کیا یہ ٹھیک قدم تھا، وہ فوج جو ذلت سے ہتھیار ڈال کر 2 سال قید میں رہی، جن کو میں نے ہندو فوجیوں سے ڈنڈے اور لاتیں کھاتے دیکھا تھا اور جو واحد طور پر میرے کام سے مستفید ہوئی اس نے اپنے محسن کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس ملک کی تاریخ میں ایک سیاہ ترین باب رہے گا۔ ٹیکنالوجی میری تھی، میں لایا تھا اور پاکستان نے

© rasailojaraid.com

ایک روپیہ بھی خرچ نہیں لیا تھا اور ہم نے این پی پر دستخط بھی نہیں کئے تھے، پھر بھی بے رحم ڈکٹیٹر نے مجھے ذلیل
© rasailojaraid.com
کرنے کی کوشش کی۔ ناکام رہا اور خود ذلیل ہو کر چلا گیا۔

آپ کی کونسی بڑھی عزت
میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

حالات کی نزاکت کو دیکھ کر اور ملکی مفاد کی خاطر زبان کھولنا بھی مناسب نہیں اور یہ کام بھی تو مشکل ہے کہ آپ عدلیہ کو حقائق سے آگاہ کر سکیں یہ سوالیہ نشان رہی ہے۔

کیا عدالت کو یہ باور میں کراپاؤں گا
ہاتھ تھا اور کسی کا مرے دستانے میں

دنیا میں یہ عام رواج ہے کہ اگر فوج شکست کھائے تو افسران کی فوراً چھٹی کر دیتے ہیں مگر ہمارے افسران خوش قسمت تھے کہ نہ صرف وہ باعزت بحال رہے بلکہ اعلیٰ عہدوں پر ترقی بھی مل گئی۔ ان کی اور ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جنگ نہ لڑنا پڑی۔

احمد فراز مرحوم نے ڈھاکہ میں فوجی میوزیم دیکھ کر جن احساسات کا اظہار کیا تھا وہ آج بھی، ہم سب کے احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

بنگلہ دیش (ڈھاکہ میوزیم دیکھ کر)

کبھی یہ شہر میرا تھا زمین میری تھی
مرے ہی لوگ تھے میرے ہی دست وبازو تھے
میں بے یار وبے رفیق پھروں
یہاں ــــ آشنا رو تھے
کسے خبر تھی کہ عمروں ن عاشقی کا مآل
دل شکستہ و چشم پُر آب جیسا تھا
کسے خبر تھی کہ اس دجلۂ محبت میں
ہمارا ساتھ بھی موج وحباب جیسا تھا
خبر نہیں یہ رقابت تھی ناخداؤں کی
کہ یہ سیاست درباں کی چال تھی کوئی
© rasailojaraid.com

©rasailojaraid.com

مری اکائی بھی خواب وخیال تھی کوئی
یہ میوزیم تو ہے اس روز بد کا آئینہ
جو نفرتوں کی تہوں کا حساب رکھتا ہے
کہیں لگا ہوا انبار استخواں تو کہیں
لہو میں ڈوبا ہوا آفتاب رکھتا ہے
کہیں مرے سپہ سالار کی جھکی گردن
عدو کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا سماں
مرے خدا میری بینائی چھین لے مجھ سے
میں کیسے دیکھ رہا ہوں ہزیمت یاراں

ستم ظریفی یہ دیکھئے جو کام میں نے کیا جس کا سب سے زیادہ فائدہ جن کو پہنچا اور جو ہتھیار ڈالنے کی ذلت کے بجائے سر اٹھانے کے اور سیدھا چلنے کے قابل ہوئے، انہوں نے جو کچھ میرے ساتھ سلوک کیا اسے احسان فراموشی ہی کہہ سکتے ہیں۔ اگر جناب بھٹو، غلام اسحاق خان، جنرل محمد ضیاء الحق اور محترمہ بےنظیر بھٹو صاحبہ اس پروگرام کو نہ چلنے دیتے اور مدد نہ کرتے اور جناب میاں نواز شریف جرآت اور حب الوطنی کا مظاہرہ نہ کرتے تو ہم سب ایل کے ایڈوانی کے حکم اور خواہش کے مطابق گردنیں جھکا کر ادب سے اس کے سامنے مارچ کر رہے ہوتے۔ جوں جوں دسمبر آتا ہے دل سے ایک ہی دعا، ایک ہی التجا نکلتی ہے۔

یاد ماضی عذاب ہے یا رب
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

☆☆......☆☆

گام گام احتیاط

امام ابوحنیفہؒ نے تجارت میں اپنے ایک شریک کے پاس کپڑا بھیجا اور بتایا کہ کپڑے میں یہ عیب ہے، خریدار کو عیب سے آگاہ کر دینا، اس نے وہ کپڑا فروخت کیا لیکن خریدار کو عیب بتلانا بھول گیا، امام اعظمؒ کو جب معلوم ہوا تو اس سے حاصل ہونے والی ساری قیمت صدقہ کر دی جس کی رقم تیس ہزار درہم تھی۔

(الخيرات الحسان في مناقب الا مام أبي حنيفة النعمان، ص: ٤٣)

© rasailojaraid.com